جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

A Qur'anic Review of Disproof-Based Argumentation and Its Application to the Doctrine of the Trinity

Hassan Reza Rezaei Zarandini [1] and **Muhammad Askari Muqaddas** [2]

1. Assistant Professor, Al-Mustafa International University

E-mail: Hasanrezarezaii@mailfa

3. Ph.D Scholar, Quran and Sciences, Specialization (Psychology), Al-Mustafa International University.

E-mail: askarimuqaddas@gmail.com

Article Info

Article type:
Research Article

Article history:

Received:
1 April 2026

Received in revised:
28 May 2026

Accepted:
12 June 2026

Available online:
24 June 2026

Keywords:

Qur'an;
naqḍī argumentation;
disproof;
Trinity; Christian theology; qā'idat al-ilzām; rational apologetics;
interreligious dialogue

ABSTRACT

This study examines the Qur'anic method of naqḍī (disproof-based) argumentation and its application to the Christian doctrine of the Trinity. It aims to show how the Qur'an responds to theological doubts and defends Islamic monotheism through reasoned, persuasive, and internally coherent arguments .The research employs a descriptive-analytical method, drawing on exegetical and theological sources. It first clarifies the lexical and technical meanings of naqḍ and method, then identifies key features of naqḍī reasoning in the Qur'an. The Qur'an uses several naqḍī strategies: invalidating a universal claim through a single counterexample; arguing from the opponent's own accepted premises (qā'idat al-ilzām); employing rational proofs; relying on scriptural and historical evidence; and using concise yet comprehensive responses. For example, it argues that if Jesus were God, he would not eat food or be subject to divine will; since he ate and was subject to God, his divinity is untenable. It also compares Jesus to earlier prophets and to Adam, challenges the claim of being "sons of God," and uses mubahala as a practical disproof. These arguments expose internal tensions in Trinitarian doctrine and invite reflection .Naqḍī argumentation is a wise and effective Qur'anic method that serves both defensive and explanatory purposes. It strengthens monotheistic belief, refutes false doctrines, and opens the way for rational interreligious dialogue. It offers a valuable model for responding to contemporary theological doubts.

Cite this article: Rezaei Zarandini & ʿAskarī Muqaddas. (2026). A Qur'anic Review of Disproof-Based Argumentation and Its Application to the Doctrine of the Trinity

New Horizons in Quranic Studies, 2 (3), 226-255

CC BY

© The Author(s).

Publisher: Al-Mustafa International University

قرآنِ کریم میں نقضی استدلال کا جائزہ اور عقیدۂ تثلیث پر اس کا اطلاق*

حسن رضا رضائی زرندینی [۱] اور محمد عسکری مقدس [۲]

CC BY

اشاریہ

یہ تحقیق قرآنِ کریم کے نقضی استدلالی اسلوب اور عقیدۂ تثلیث پر اس کے اطلاق کا جائزہ لیتی ہے۔ اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ قرآن کریم عقائد کے دفاع، شبہات کے جواب اور توحید کی عقلی و منطقی تائید کے لیے کس طرح نقضی دلائل استعمال کرتا ہے۔ تحقیق میں توصیفی۔ تحلیلی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ پہلے "نقض" اور "روش" کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم بیان کیے گئے ہیں، پھر قرآن میں نقضی اسلوب کی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ اس کے بعد تثلیث سے متعلق قرآنی آیات، جیسے النساء: ۱۷۱، المائدہ: ۱۷، ۷۲-۷۵، ۱۱۶-۱۱۸، مریم: ۸۸-۹۳، المؤمنون: ۹۱ اور الاخلاص: ۱-۴ کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ قرآن کریم نے تثلیث کے رد میں متعدد نقضی اسالیب اختیار کیے ہیں: کلی دعوے کو ایک نقضی مثال سے باطل کرنا؛ مخاطب کے اپنے مسلمہ اصولوں کی بنیاد پر حجت قائم کرنا (قاعدۂ الزام)؛ عقلی استدلال؛ نقلی و تاریخی شواہد؛ اور مختصر مگر جامع جواب۔ مثلاً قرآن فرماتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ خدا ہوتے تو کھانا نہ کھاتے اور اللہ کے فیصلے کے تابع نہ ہوتے، حالانکہ وہ کھاتے تھے اور اللہ کی مشیت کے تابع تھے۔ اسی طرح انہیں سابقہ انبیاء اور حضرت آدمؑ سے تشبیہ دے کر، "ابن اللہ" کے دعوے کی نفی، اور مباہلہ کے ذریعے عملی نقض پیش کیا گیا ہے۔ یہ دلائل تثلیث کے اندرونی تضادات کو آشکار کرتے ہیں اور از سرِ نو غور کی دعوت دیتے ہیں۔ نقضی استدلال قرآن کا ایک حکیمانہ اور مؤثر اسلوب ہے جو دفاعی اور تبیینی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ توحیدی عقائد کو مضبوط کرتا ہے، باطل عقائد کا رد کرتا ہے اور بین المذاہب عقلی مکالمے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ عصرِ حاضر کے فکری و اعتقادی شبہات کے جواب میں یہ ایک قابلِ قدر نمونہ ہے۔

کلیدی الفاظ: قرآن؛ نقضی استدلال؛ عقیدۂ تثلیث؛ قاعدۂ الزام؛ مناظرہ؛ توحید؛ مکالمۂ بین المذاہب؛ عقلی دفاع

* موصول ہونے کی تاریخ: ۲۰۲۶/۴/۱ & آرٹیکل کی تایید کی تاریخ: ۲۰۲۶/۶/۱۲

۱. اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ مطالعاتِ تطبیقی قرآن IT المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی۔ (Hasanrezarezaii@mailfa).

۲. پی ایچ ڈی اسکالر، قرآن وعلوم، تخصص (نفسیات)، المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی، قم، ایران. (askarimuqaddas@gmail.com).

تمہید

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا آخری کلام اور انسانیت کے لیے ہدایت کا کامل سرچشمہ ہے۔ اس میں حقائق کو واضح کرنے، توحید کو ثابت کرنے اور انسانوں کو راہِ ہدایت کی طرف رہنمائی دینے کے لیے مختلف استدلالی اور اقناعی اسالیب اختیار کیے گئے ہیں۔ انہی میں سے ایک اہم اسلوب "روشِ نقضی" ہے۔ اس طریقے میں غلط نظریات اور بے بنیاد دعووں کو مضبوط دلائل، واضح شواہد اور منطقی استدلال کے ذریعے رد کیا جاتا ہے۔ بعض مواقع پر مخالف نظریات کے اندر موجود تضادات کو نمایاں کر کے ان کی کمزوری کو آشکار کیا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ اسلوب مختلف مقامات پر نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے۔

موجودہ دور میں، جب معلومات کی فراوانی کے ساتھ ساتھ مختصر اور پُرکشش انداز میں پیش کیے جانے والے شبہات بھی تیزی سے پھیل رہے ہیں، روشِ نقضی کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ یہ طریقہ دینِ اسلام کی حقانیت اور اس کی فکری مضبوطی کو ثابت کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ قرآنِ کریم باطل عقائد اور غلط دعووں کا رد کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ اسلام مضبوط عقلی اور منطقی بنیادوں پر قائم ہے اور اس میں کسی قسم کا تضاد یا ابہام موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اسلوب نہ صرف اہلِ ایمان کے عقائد کو مضبوط کرتا ہے بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی اسلام کی حقانیت کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ طریقہ افراد کو یہ شعور دیتا ہے کہ وہ کسی بھی دعوے یا عقیدے کو تحقیق اور غور و فکر کے بغیر قبول نہ کریں۔ یوں یہ علمی بصیرت اور فکری آگہی کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مزید برآں، یہ معاشرے میں فکری استحکام، اتحاد و ہم آہنگی اور ذمہ دار و باشعور افراد کی تربیت میں بھی معاون ثابت ہوتا ہے۔

اس موضوع پر دستیاب علمی مواد کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ "روشِ نقضی" کے عنوان سے باقاعدہ تحقیق مقالات، کتب اور جامعاتی تحقیقات میں بہت کم یا تقریباً ناپید ہے۔ اس لحاظ سے یہ مقالہ ایک نئی اور منفرد علمی کاوش شمار کیا جا سکتا ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں اس موضوع سے متعلق چند مباحث مفہوم شناسی کے ضمن میں ضرور ملتے ہیں۔

اس مقالے کا مقصد قرآنِ کریم میں روشِ نقضی کی اہم خصوصیات کو واضح کرنا اور عقیدۂ تثلیث کے قائلین کے مقابلے میں اس کے استعمال کا تجزیہ پیش کرنا ہے۔ ان مثالوں کے مطالعے سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ قرآنِ کریم مخالفین، منکرین اور حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے دعوے داروں کے سامنے کس انداز سے استدلال

کرتا ہے۔ نیز یہ تحقیق اس بات کو بھی واضح کرتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی وضاحت اور ان کے دفاع میں اس قرآنی اسلوب سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

یہ مقالہ اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ روشِ نقضی کے بنیادی اصول اور معیار کیا ہیں، اور قرآنِ کریم کس طرح اس طریقے کو اختیار کرتے ہوئے نہ صرف باطل عقائد پر تنقید کرتا ہے بلکہ مخاطب کو بھی دعوت دیتا ہے کہ وہ مختلف دعووں اور نظریات کی صحت و سقم پر غور کرے اور حق کو پہچاننے کے لیے سنجیدہ فکر و تدبر سے کام لے۔

مفہوم شناسی

نقض کا مفہوم

لفظ "نقض" سے متعدد مشتقات وجود میں آئے ہیں۔ لغت کی معروف کتاب مفردات راغب میں "نقض" کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مراد کسی عمارت، رسی یا گرہ کے بندھن کا کھل جانا اور بکھر جانا ہے۔ یہ "ابرام" (مضبوط کرنے اور باندھنے) کی ضد ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: "میں نے عمارت کو گرا دیا، رسی کو کھول دیا یا گرہ کو کھول دیا۔" (راغب اصفہانی، ۱۳۶۲، ج۱، ص۸۲۱-۸۲۲)

آیت اللہ مکارم شیرازی لغوی منابع سے استفادہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "نقض" کا معنی رسی کی گرہ کھولنا یا عمارت کے باہم جڑے ہوئے حصوں کو جدا کرنا ہے۔"انقاض" اس آواز کو کہتے ہیں جو عمارت کے اجزاء کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے وقت سنائی دیتی ہے، یا پھر کمر کے مہروں سے نکلنے والی اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی بھاری بوجھ کے دباؤ کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۶۸، ج۲۷، ص۱۴۴)

بعض اہلِ لغت نے "نقض" کے دو بنیادی معانی بیان کیے ہیں: ایک ظاہری اور مادی، جیسے ہڈی کا ٹوٹ جانا؛ اور دوسرا معنوی، جیسے عہد و پیمان کو توڑ دینا۔ (قرشی، ۱۳۷۵ش، ج۷، ص۱۰۵) عرب اہلِ زبان ان اونٹوں کے لیے بھی "نقض" کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو سفر سے واپس آنے کے بعد کمزور اور لاغر ہو جائیں، گویا وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئے ہوں۔ (فراہیدی، ۱۴۰۵ق، ج۵، ص۵۰) ان تمام معانی کا خلاصہ یہ ہے کہ "نقض" کا بنیادی مفہوم

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

کسی چیز کو توڑنے، بگاڑنے یا اس کی ساخت کو ختم کرنے سے متعلق ہے، اگرچہ اس کا اطلاق مختلف مواقع اور مصادیق پر ہوتا ہے۔

اس تحقیق میں "نقض" سے مراد شبہات اور اعتراضات کے جواب میں اختیار کیا جانے والا "نقضی جواب" ہے۔دوسرے لفظوں میں، نقضی جواب وہ ہوتا ہے جس میں مخالف کے دعوے کو رد کرنے کے لیے ایسی دلیل، مثال یا صورتِ حال پیش کی جاتی ہے جسے خود معترض بھی تسلیم کرتا ہو اور جس کا انکار نہ کر سکے۔اس طرح اس کے استدلال کی بنیاد کمزور ہو جاتی ہے اور اس کی فکری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔(ملاحظہ ہو: محمدی، رضا، ۱۳۹۱)

قرآن کریم میں "نقض" کا مفہوم

قرآن کریم کی متعدد آیات میں "نقض" کا لفظ اور اس کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں، لیکن ان مقامات پر اس سے مراد اصطلاحی معنی میں "نقضی جواب" نہیں ہے، بلکہ لغوی معنی، یعنی توڑنے اور ختم کرنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔مثال کے طور پر سورۂ انفال میں ارشاد ہوتا ہے: الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ یہ وہ لوگ ہیں جن سے تم نے عہد لیا، پھر وہ ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں۔(الأنفال: ۵۶) اس آیت میں "نقض" سے مراد عہد و پیمان کو توڑنا ہے، جو اس کے معنوی استعمال کی مثال ہے۔یہی مفہوم سورۂ بقرہ کی آیت ۲۷ میں بھی بیان ہوا ہے: الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھے جانے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔اسی طرح سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا اپنی قسموں کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو۔(النحل: ۹۱) یہاں بھی "نقض" قسم اور عہد شکنی کے معنوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔سورۂ شرح میں فرمایا گیا ہے: الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو جھکا دیا تھا۔(الشرح: ۳) نیز سورۂ نحل میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے مضبوطی سے سوت کاتنے کے بعد اسے دوبارہ توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔(النحل: ۹۲) اس آیت میں "نقض" اپنے ظاہری اور مادی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں لفظ "نقض" اور اس کے مشتقات مختلف مواقع پر استعمال ہوئے ہیں، لیکن کہیں بھی یہ اصطلاحی معنی، یعنی "نقضی جواب" کے مفہوم میں نہیں آیا۔البتہ اس کا لغوی مفہوم، یعنی عہد شکنی، کسی چیز کو توڑنا یا اس کی ساخت کو ختم کرنا، واضح طور پر موجود ہے۔

اسی طرح "نکث" کے مادے سے بننے والے الفاظ بھی قرآن کریم میں عہد، پیمان یا وعدے کی خلاف ورزی کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔مثال کے طور پر قرآن مجید میں عہد شکنی کے حوالے سے ارشاد ہوتا ہے: وَإِذْ نَكَثُوا عَهْدَهُمْ جب انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا۔لہٰذا قرآن کریم میں "نقض" اور اس سے ملتے جلتے الفاظ زیادہ تر عہد شکنی، وعدہ خلافی اور کسی مضبوط چیز کو توڑنے کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔

نقضی جواب کی خصوصیات

کلی دعوے کو نقضی مثال کے ذریعے باطل کرنا

نقضی جواب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ کسی کلی دعوے یا عمومی حکم کو ایک ایسی مثال کے ذریعے باطل کر دیا جائے جو اس کے خلاف ہو۔منطق کی رو سے اگر کسی کلی دعوے کے مقابلے میں ایک بھی درست اور قابلِ قبول مثال پیش کر دی جائے جو اس دعوے کی نفی کرتی ہو، تو وہ کلی دعویٰ اپنی حیثیت کھو دیتا ہے۔

قرآنِ کریم میں اس طرزِ استدلال کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔مثال کے طور پر جہاں قرآن مشرکین کے بتوں کی عبادت کو باطل قرار دیتا ہے، وہاں وہ صرف دعویٰ کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ بتوں کی بے بسی اور بے اختیاری کو واضح مثالوں کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔اس طرح بتوں کی کمزوری اور ناتوانی، ان کے معبود ہونے کے دعوے کے خلاف ایک نقضی دلیل بن جاتی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے: إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ ۖ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ۚ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے اور پوجتے ہو، وہ کبھی ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، چاہے اس مقصد کے لیے سب اکٹھے ہو جائیں۔اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اسے واپس لینے

کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔مانگنے والا بھی کمزور ہے اور جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بھی کمزور ہے۔(الحج: ۷۳)

اس آیت میں قرآنِ کریم مشرکین کے اس کلی دعوے کو رد کرتا ہے کہ ان کے معبود کسی قسم کی قدرت اور اختیار رکھتے ہیں۔قرآن ایک نہایت سادہ مگر فیصلہ کن مثال پیش کرتا ہے: اگر یہ معبود واقعی قدرت رکھتے ہیں تو کم از کم ایک مکھی ہی پیدا کر دیں، یا اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو اسے واپس حاصل کر لیں۔جب وہ اتنا بھی نہیں کر سکتے تو ان کے بارے میں الوہیت اور قدرت کا دعویٰ کس طرح درست ہو سکتا ہے؟

علامہ طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عقیدے کے بطلان اور ان کے معبودوں کی مکمل بے بسی کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے۔یہ مثال براہِ راست اثباتی استدلال کے بجائے نقضی اور تمثیلی انداز میں ان کے دعوے کو باطل کرتی ہے۔علامہ کے مطابق یہ دراصل ایک نقضی برہان ہے، کیونکہ جب معبود اپنی طاقت کا اظہار ایک معمولی ترین کام میں بھی نہیں کر سکتے تو ان کے بارے میں قدرتِ مطلقہ کا دعویٰ خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔(طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج۱۴، ص۵۷۷)

اسی طرح فخر الدین رازی لکھتے ہیں: **فَضُرِبَ لَهُمْ مَثَلٌ يُبْطِلُ دَعْوَاهُمْ** پس ان کے لیے ایسی مثال بیان کی گئی جو ان کے دعوے کو باطل کر دیتی ہے۔(فخر رازی، ۱۴۱۷ق، ج۲۳، ص۲۵۱) اس سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ آیت سے نقضی جواب کا استنباط کوئی جدید تعبیر نہیں، بلکہ قدیم مفسرین نے بھی اس پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے۔خصوصاً علامہ طباطبائی نے اسے صراحت کے ساتھ نقضی برہان کے قریب قرار دیا ہے۔لہٰذا یہ آیت قرآنِ کریم میں نقضی استدلال کی ایک نمایاں مثال شمار کی جا سکتی ہے، جہاں ایک چھوٹی سی مثال کے ذریعے ایک بڑے اور کلی دعوے کی بنیاد منہدم کر دی گئی ہے۔

قاعدۂ الزام کی بنیاد پر نقضی جواب

نقضی جواب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ مخاطب کو اس کے اپنے مسلمہ عقائد اور اصولوں کی بنیاد پر جواب دیا جائے۔اسلامی علمی اصطلاح میں اسے "قاعدۂ الزام" کہا جاتا ہے۔

اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ کسی دین، عقیدے یا قانون کو مانتے ہوں اور خود کو اس کا پابند سمجھتے ہوں، اختلاف کی صورت میں انہیں انہی عقائد اور اصولوں کی بنیاد پر جواب دیا جائے اور ان پر حجت قائم کی جائے۔اس قاعدے کی بنیاد احادیث اور قرآنِ کریم دونوں میں موجود ہے۔اس سلسلے میں مشہور حدیث ہے: «أَلْزِمُوهُمْ بِمَا أَلْزَمُوا بِهِ أَنْفُسَهُمْ» لوگوں کو ان ہی باتوں کا پابند بناؤ جنہیں وہ خود اپنے لیے قبول کرتے ہیں۔(شیخ طوسی، تہذیب الاحکام، ج۹، ص۳۲۲) اسی طرح قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے:وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَاور اہلِ انجیل کو چاہیے کہ وہ اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے، اور جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی نافرمان ہیں۔(المائدہ: ۴۷)اس آیت میں اہلِ انجیل کو ان کی اپنی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جو قاعدۂ الزام کی واضح مثال ہے۔

نقضی جواب میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا جاتا ہے۔یعنی شبہہ اٹھانے والے شخص کو اس کے اپنے تسلیم شدہ عقائد اور دلائل کی بنیاد پر جواب دیا جاتا ہے، تاکہ وہ اس جواب سے فرار اختیار نہ کر سکے۔اس کی ایک مثال اہلِ کتاب، خصوصاً یہودیوں کے بارے میں قرآنِ کریم میں ملتی ہے۔قرآن بتاتا ہے کہ وہ آخری نبی ﷺ کو ان نشانیوں کی بنیاد پر اچھی طرح پہچانتے تھے جو ان کی آسمانی کتابوں میں بیان ہوئی تھیں۔ارشادِ الٰہی ہے:الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس نبی کو اسی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، لیکن ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپاتا ہے۔(البقرہ: ۱۴۶) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہلِ کتاب کو ان کی اپنی کتابوں کی تعلیمات اور پیش گوئیوں کی طرف متوجہ کرکے رسول اکرم ﷺ کی نبوت قبول کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔گویا ان پر ان ہی کے مسلمہ عقائد کی بنیاد پر حجت قائم کی جاتی ہے۔لیکن اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

قرآنِ کریم میں قاعدۂ الزام کے اصول کی مزید جھلک بعض دیگر آیات میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ: ۲۸۶) یہ آیت اس اصول کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہر شخص سے اسی حد تک مطالبہ کیا جاتا ہے جس کی وہ قدرت اور استعداد رکھتا ہو۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (الکافرون: ۶) تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔ یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ ہر شخص اپنے اختیار کردہ دین اور عقیدے کا ذمہ دار ہے۔ مزید برآں سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا: فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ (المائدہ: ۴۲) اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کریں یا ان سے صرفِ نظر کریں۔

مفسرین کے نزدیک اس آیت میں اہلِ کتاب کے ساتھ معاملہ کرتے وقت ان کے مسلمہ دینی اصولوں کو مدنظر رکھنے کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ علامہ طباطبائی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: قرآن اہلِ کتاب سے گفتگو کرتے وقت انہیں ان کے اپنے دینی نظام اور عقائد کے دائرے میں مخاطب کرتا ہے، اور یہ دراصل انہیں ان ہی امور کا پابند بنانے کی ایک صورت ہے جن پر وہ خود ایمان رکھتے ہیں۔ (طباطبائی، المیزان، ج۵، ص۳۷۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قاعدۂ الزام کی جڑیں قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔ یہی قاعدہ نقضی جواب کی ایک بنیادی اور مؤثر خصوصیت بھی ہے، کیونکہ اس کے ذریعے مخاطب کو اس کے اپنے تسلیم شدہ اصولوں کی بنیاد پر جواب دیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کے لیے اس جواب کو رد کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔

شبہہ پیش کرنے والے کے عقائد کی بنیاد پر نقضی جواب

نقضی جواب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ جواب ایسے دلائل کی بنیاد پر دیا جائے جنہیں خود شبہہ پیش کرنے والا بھی تسلیم کرتا ہو۔ دوسرے الفاظ میں، نقضی استدلال اس وقت زیادہ مؤثر ہوتا ہے جب مخاطب اپنے ہی مسلمہ عقائد اور اصولوں کی روشنی میں جواب کا سامنا کرے۔ ایسی صورت میں اس کے لیے جواب کو رد کرنا آسان نہیں رہتا، کیونکہ دلیل کسی

بیرونی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کے اپنے اعتقادی نظام پر قائم ہوتی ہے۔ قرآنِ کریم نے اہلِ کتاب، خصوصاً عیسائیوں سے گفتگو کرتے ہوئے اسی اسلوب کو اختیار کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ کہہ دیجیے! اے اہلِ کتاب، آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ (آل عمران: ۶۴) اس آیت میں قرآنِ کریم مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک مشترک عقیدے کو بنیاد بناتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ کائنات کا حقیقی خالق، مالک اور پروردگار صرف ایک اللہ ہے۔ گویا قرآن اس حقیقت کو پیش کرتا ہے جسے عیسائی بھی بنیادی طور پر تسلیم کرتے ہیں، پھر اسی بنیاد پر انہیں خالص توحید کی طرف دعوت دیتا ہے۔

علامہ طباطبائی کے مطابق اس آیت میں قرآن کی دعوت اس حقیقت پر مبنی ہے کہ عیسائی اصل میں ایک خدا کے عقیدے کو مانتے تھے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کے مقام کے بارے میں ان کے عقائد میں ایسی باتیں شامل ہو گئیں جن سے شرک کا راستہ ہموار ہوا۔ اس لیے قرآن انہیں ان کے اپنے مسلمہ عقیدے کی طرف متوجہ کرکے خالص توحید کی دعوت دیتا ہے۔ (طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج۳، ص۶۴) اس مثال سے واضح ہوتا ہے کہ نقضی جواب میں مخاطب کے عقائد اور فکری بنیادوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، اور اسی بنیاد پر اس کے نظریے کی کمزوری کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

اختصار اور جامعیت: نقضی جواب کی ایک اہم خصوصیت

نقضی جواب کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا مختصر، واضح اور جامع ہونا ہے۔ موجودہ دور میں معلومات کی کثرت، تیز رفتار ذرائع ابلاغ اور مصروف طرزِ زندگی کے باعث لوگوں کے پاس طویل مباحث کے لیے وقت کم ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے حالات میں مختصر لیکن مؤثر جواب زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآنِ کریم کے بہت سے نقضی جوابات نہایت مختصر ہونے کے باوجود انتہائی مضبوط اور مؤثر ہیں۔

اختصار کے چند اہم فوائد درج ذیل ہیں:

الف۔ وقت کی بچت:

مختصر جواب سے جواب دینے والے اور سننے یا پڑھنے والے دونوں کا وقت بچتا ہے اور اصل نکتے تک جلد رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

ب۔ توجہ برقرار رکھنا:

مختصر اور واضح جواب مخاطب کی توجہ کو مرکزی نکتے پر مرکوز رکھتا ہے اور غیر ضروری تفصیلات سے بچاتا ہے۔

ج۔ موضوع کو آسان بنانا:

بعض اوقات چند جملوں پر مشتمل جواب کسی پیچیدہ مسئلے کو زیادہ آسانی سے سمجھا دیتا ہے۔

د۔ اصل نکتے کو نمایاں کرنا:

مختصر جواب بحث کے بنیادی اور فیصلہ کن پہلو کو واضح کر دیتا ہے اور غیر ضروری تفصیلات میں الجھنے نہیں دیتا۔

ہ۔ یاد رکھنے میں آسانی:

مختصر اور واضح جوابات طویل دلائل کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔

و۔ محدود ذرائع ابلاغ کے لیے موزونیت:

پیغامات، گفتگو اور سوشل میڈیا جیسے ذرائع میں مختصر جوابات زیادہ مؤثر اور قابلِ استعمال ہوتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً عیسائیوں کے عقیدۂ الوہیتِ مسیح کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنھوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہے۔ کہہ دیجیے: اگر اللہ مسیح ابنِ

مریم، ان کی والدہ اور زمین میں موجود تمام لوگوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اس کے ارادے کو روک سکے؟ (المائدہ: ۱۷)

یہ آیت نہایت مختصر انداز میں عیسائی عقیدے کے اندر موجود تضاد کو نمایاں کرتی ہے۔اگر حضرت عیسیٰؑ خدا ہیں تو پھر وہ اللہ کے فیصلے اور قدرت کے مقابلے میں بے بس کیوں ہیں؟ یہی مختصر سوال اس عقیدے کے بطلان کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔اسی طرح قرآنِ کریم میں تحدی (مقابلے کا چیلنج) والی آیات بھی نقضی جواب کی بہترین مثال ہیں۔جب مخالفین قرآن کو انسانی کلام قرار دیتے تھے تو قرآن مختصر مگر فیصلہ کن انداز میں فرماتا ہے: وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ اگر تم اس کتاب کے بارے میں شک رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ۔ (البقرہ: ۲۳) ایک اور مقام پر فرمایا: أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔ (یونس: ۳۸) اور ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس جیسا کوئی کلام پیش کریں۔(الطور: ۳۴) یہ مختصر اور جامع نقضی جوابات چودہ صدیوں گزرنے کے باوجود اپنی قوت اور اثر برقرار رکھے ہوئے ہیں۔البتہ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اختصار صرف نقضی جواب کی خصوصیت نہیں، بلکہ حلی (اثباتی) جواب بھی مختصر ہو سکتا ہے۔تاہم نقضی جوابات میں یہ وصف زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، کیونکہ ان کا مقصد عموماً کسی دعوے کی کمزوری کو ایک واضح اور فیصلہ کن دلیل کے ذریعے نمایاں کرنا ہوتا ہے، جبکہ حلی جوابات میں اکثر تفصیل، تشریح اور متعدد دلائل کی ضرورت پیش آتی ہے۔

نقضی جواب میں غیر عقلی دلائل کا استعمال

نقضی جواب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نقلی دلائل، یعنی قرآنِ کریم، احادیث اور سابقہ آسمانی کتابوں کے متون سے استدلال کیا جاتا ہے۔یہ طریقہ شبہات کے جواب، علمی مناظروں اور دینی مباحث میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔اس اسلوب میں مخالف کے دعوے کو

دینی نصوص کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے اور انہی نصوص کی بنیاد پر اس کی کمزوری واضح کی جاتی ہے۔قرآنِ کریم نے عیسائیوں کے بعض عقائد کے جواب میں متعدد مقامات پر تاریخی اور نقلی شواہد سے استدلال کیا ہے۔مثال کے طور پر حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے واقعات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔(مریم: ۱۶-۲۱، آل عمران: ۴۵-۴۷) ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ معمول کے اسباب سے ہٹ کر بھی تخلیق کی قدرت رکھتا ہے۔لہٰذا حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے پیدائش ان کی الوہیت کی دلیل نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر ہے۔

اسی طرح قرآنِ کریم حضرت عیسیٰؑ کے گہوارے میں گفتگو کرنے کا واقعہ نقل کرتا ہے، جہاں وہ اپنی پہلی گفتگو میں خود کو اللہ کا بندہ اور رسول قرار دیتے ہیں: إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔(مریم: ۳۰) یہ بیان حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے دعوے کی واضح نفی کرتا ہے اور ان کے مقامِ بندگی و رسالت کو ثابت کرتا ہے۔اہلِ بیتؑ کی سیرت میں بھی نقضی جواب کے لیے نقلی دلائل سے استدلال کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد جب اہلِ بیتؑ کو اسیر بنا کر یزید کے دربار میں لایا گیا تو یزید نے امام زین العابدینؑ سے مخاطب ہو کر قرآن کی اس آیت کی تلاوت کی: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔(الشوریٰ: ۳۰)یزید کا مقصد یہ تاثر دینا تھا کہ کربلا کی مصیبت اور اہلِ بیتؑ کی اسیری ان کے کسی گناہ کا نتیجہ ہے۔امام سجادؑ نے فوراً قرآن ہی سے جواب دیتے ہوئے فرمایا: مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا زمین میں یا تمہاری جانوں میں جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی ایک کتاب میں لکھی جا چکی ہوتی ہے۔(الحدید: ۲۲)اس جواب کے ذریعے امامؑ نے واضح فرمایا کہ اہلِ بیتؑ پر آنے والی یہ مصیبت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کے مطابق تھی، نہ کہ کسی گناہ کا نتیجہ۔اس طرح آپؑ نے قرآن ہی کی ایک دوسری آیت سے یزید کے استدلال کا نقض کیا۔(تاریخ طبری، ج۴، ص۳۵۲)

عقلی بنیاد پر نقضی جواب

نقضی جواب کی ایک اور اہم خصوصیت عقلی استدلال ہے۔اس طریقے میں کسی دعوے کے نتائج کو سامنے لا کر یہ دکھایا جاتا ہے کہ وہ دعویٰ عقل، منطق یا مشاہدے کے خلاف ہے۔ جب کسی نظریے کے لازمی نتائج نامعقول یا متناقض ثابت ہو جائیں تو خود وہ نظریہ بھی ناقابلِ قبول قرار پاتا ہے۔قرآنِ کریم نے منکرینِ خدا کے مقابلے میں اسی طرزِ استدلال کو اختیار کیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے: أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ کیا وہ بغیر کسی خالق کے پیدا ہو گئے ہیں، یا وہ خود اپنے خالق ہیں؟ (الطور: ۳۵) یہ آیت ایک عقلی سوال کے ذریعے الحاد کے نظریے کو چیلنج کرتی ہے۔ظاہر ہے کہ کوئی چیز خود اپنے آپ کو پیدا نہیں کر سکتی اور نہ ہی بغیر کسی سبب کے وجود میں آ سکتی ہے۔لہٰذا کائنات کا ایک خالق ہونا عقلی طور پر ضروری ہے۔اسی طرح ارشادِ الٰہی ہے:الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وہی ہے جس نے ہر چیز کو بہترین انداز میں پیدا کیا۔ (السجدہ: ۷) کائنات میں موجود نظم، تناسب اور مقصدیت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ محض اتفاق یا حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

عیسائی عقیدۂ الوہیتِ مسیح کے رد میں بھی قرآنِ کریم نے عقلی نقضی استدلال پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ مسیح ابنِ مریم ایک رسول کے سوا کچھ نہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی والدہ ایک نہایت راست باز خاتون تھیں۔وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ (المائدہ: ۷۵) اس آیت میں قرآن ایک نہایت سادہ مگر مضبوط عقلی دلیل پیش کرتا ہے۔کھانا کھانے کا مطلب ہے ضرورت مند ہونا، جبکہ خدا ہر قسم کی حاجت اور احتیاج سے پاک ہے۔لہٰذا جو ہستی کھانے اور دیگر جسمانی ضروریات کی محتاج ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتی۔اسی مضمون کو سورۂ مائدہ کی ایک اور آیت میں مزید واضح کیا گیا ہے: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابنِ مریم ہے۔کہہ

دیجیے: اگر اللہ مسیح ابنِ مریم اور ان کی والدہ کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اس کے فیصلے کو روک سکے؟ (المائدہ: ۱۷)

یہ آیت ایک نقضی سوال کے ذریعے عیسائی عقیدے کے اندر موجود تضاد کو نمایاں کرتی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ خدا ہیں تو پھر وہ اللہ کی قدرت اور فیصلے کے مقابلے میں بے بس کیوں ہیں؟ یہ سوال خود اس عقیدے کی کمزوری کو واضح کر دیتا ہے۔اسی طرح قرآنِ کریم تعددِ آلہہ (ایک سے زیادہ خداؤں) کے نظریے کو بھی عقلی نقضی استدلال سے رد کرتا ہے: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو ان کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔(الأنبیاء: ۲۲)اس آیت کا استدلال یہ ہے کہ اگر متعدد خداؤں کی الگ الگ مرضی اور اقتدار ہوتا تو ان کے درمیان اختلاف اور ٹکراؤ پیدا ہوتا، جس کے نتیجے میں کائنات کا نظم و ضبط باقی نہ رہتا۔چونکہ کائنات ایک منظّم اور مربوط نظام کے تحت چل رہی ہے، اس لیے اس کا خالق اور مدبر بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔یوں یہ آیت عقلی اور نقضی دونوں پہلوؤں سے عقیدۂ توحید کی تائید اور شرک کی نفی کرتی ہے۔

شبہے ہی کی نوعیت سے نقضی جواب

نقضی جواب کے مؤثر اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ جواب اسی نوعیت اور جنس سے دیا جائے جس نوعیت کا خود شبہ ہو۔اس طریقے کا مطلب یہ ہے کہ کسی شبہے کو رد یا کمزور کرنے کے لیے اسی کے استدلال، مبانی یا شواہد کو بنیاد بنا کر اس کے اندر موجود تضادات، غلطیوں یا غیر معقول نتائج کو نمایاں کیا جائے۔مثال کے طور پر اگر کوئی وہابی شیعہ پر قرآن میں تحریف کا عقیدہ رکھنے کا الزام لگائے تو جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ خود خلیفۂ دوم کا یہ عقیدہ نقل ہوا ہے کہ آیت «الشیخ والشیخۃ...» قرآن کا حصہ تھی لیکن بعد میں حذف ہو گئی (سیوطی، ۱۴۱۴ھ، ج ۵، ص ۱۸۰)۔اس بنا پر تحریف کا الزام خود انھی کے بعض اکابر کے عقیدے پر بھی وارد ہوتا ہے۔اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے جب سورج اور چاند کے پجاریوں کا سامنا کیا تو ابتدا میں ان کے عقیدے کو ظاہری طور پر قبول کرنے کے انداز میں گفتگو کی۔ پھر جب سورج اور چاند غروب ہو گئے تو فرمایا: فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا

تُشْرِكُونَ(الأنعام: ۷۸)جب وہ غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا: اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا کا شریک ٹھہراتے ہو۔یہاں اصل موضوع جھوٹے معبودوں کی عبادت تھا۔حضرت ابراہیمؑ نے انہی کے عقیدے کی بنیاد پر یہ ثابت کیا کہ جو چیز غروب ہو جائے اور زوال پذیر ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں ہو سکتی۔

ایک اور مثال سورۂ یٰس کی آیات ۷۸ اور ۷۹ میں ملتی ہے، جہاں منکرینِ قیامت کہتے ہیں:مَنْ يُحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اسی نوعیت کے استدلال سے جواب دیتا ہے: قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ کہہ دیجیے! انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔منکرین کا اعتراض بوسیدہ ہڈیوں پر تھا، لہٰذا جواب بھی انہی ہڈیوں کے بارے میں دیا گیا اور پہلی تخلیق کی طرف توجہ دلا کر ثابت کیا گیا کہ جو پہلی مرتبہ پیدا کر سکتا ہے، وہ دوبارہ بھی پیدا کرنے پر قادر ہے۔

نقضی جواب مکمل اور حتمی جواب نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعے شبہے کی کمزوریاں آشکار کی جاتی ہیں۔عام طور پر شبہات غلط مفروضات اور نادرست بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔نقضی جواب ان غلط بنیادوں کو نمایاں کرتا ہے اور دکھاتا ہے کہ کس طرح یہی غلط مفروضات غلط نتائج تک پہنچاتے ہیں۔اسی طرح بہت سے شبہات منطقی مغالطوں پر مشتمل ہوتے ہیں؛ یعنی ایسے دلائل جو بظاہر درست محسوس ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ناقص ہوتے ہیں۔ نقضی جواب ان مغالطوں کی نشاندہی کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ ان کی وجہ سے استدلال معتبر نہیں رہتا۔

بعض اوقات شبہے کے اندر ہی اندرونی تضاد موجود ہوتا ہے۔نقضی جواب اس تضاد کو سامنے لاتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ یہی تضاد شبہے کی بنیاد کو کمزور کر دیتا ہے۔اسی طرح نقضی جواب ایسے شواہد اور دلائل بھی پیش کر سکتا ہے جو براہِ راست شبہے کے دعوے کے خلاف ہوں اور یہ ثابت کریں کہ شبہے کا دعویٰ حقیقت سے مطابقت نہیں رکھتا۔لہٰذا نقضی جواب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ وہ شبہے کی کمزوری اور بطلان کو ظاہر کر دیتا ہے، لیکن یہ نہیں بتاتا کہ شبہ اصل میں کیوں باطل ہے اور اس کا حقیقی حل کیا ہے۔اس مقصد کے لیے حلّی

جواب (جوابِ حلّی) کی ضرورت ہوتی ہے۔مثال کے طور پر نجران کے عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے تھے کہ چونکہ ان کے والد نہیں تھے، اس لیے وہ خدا کے بیٹے ہیں۔رسول اکرم ﷺ نے قرآن کی آیت سے ان کے استدلال کی بنیاد ہی کو رد کر دیا:إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ... (آل عمران: ۵۹) بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی مثال جیسی ہے، جسے اللہ نے مٹی سے پیدا کیا۔
عیسائی حضرت آدمؑ کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔چنانچہ اس مناظرے میں رسول اکرم ﷺ نے نقضی جواب کے ذریعے ان کے بنیادی استدلال کو منہدم کر دیا (ر.ک: علی بن ابراہیم قمی، ۱۳۶۷ش، ج ۱، ص ۱۰۴)۔اس جواب میں درحقیقت شبہ مکمل طور پر حل نہیں ہوا بلکہ اس کی کمزوری واضح ہوئی۔اگر باپ کا نہ ہونا کسی شخص کے خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو حضرت آدمؑ اس دعوے کے زیادہ مستحق ہونے چاہئیں، کیونکہ نہ صرف ان کے والد نہیں تھے بلکہ ان کی والدہ بھی نہیں تھیں۔جب عیسائی حضرت آدمؑ کے بارے میں ایسا عقیدہ نہیں رکھتے تو ان کا استدلال خود بخود باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ ایک ہی نقض ان کے دعوے کی بنیاد کو ختم کر دیتا ہے۔تاہم اصل سوال، یعنی باپ کے بغیر اولاد کی پیدائش کیسے ممکن ہے؟ اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔بلکہ یہ اشکال حضرت آدمؑ کے بارے میں اور بھی زیادہ شدت سے پیدا ہو سکتا ہے۔اس لیے اس سوال کے حقیقی اور بنیادی حل کے لیے ایک حلّی جواب درکار ہے جو شبہے کی جڑ کو مکمل طور پر ختم کر دے۔

تثلیث کے دعویداروں کے مقابلے میں قرآن کے نقضی جوابات کا تجزیہ

لفظ تثلیث (Trinity) بلاشبہ ان مشکل ترین اور پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے جن کا سامنا علمِ الٰہیات کے محققین اور طلبہ کو کرنا پڑتا ہے۔مسیحی عالمِ الٰہیات الیسٹر میک گرا" تین شخصیات، ایک ذات" کی تعبیر کے بارے میں کہتے ہیں: کم از کم اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ تعبیر زیادہ واضح نہیں ہے۔(الیسٹر، ۱۳۸۵ش، ص ۳۳۰) تثلیث مسیحیت کے بنیادی عقائد میں سے ایک ہے جو باپ، بیٹے اور روح القدس پر مشتمل تین گانہ خدا کی الوہیت کو بیان کرتا ہے۔اس عقیدے کے مطابق خدا کی ذات ایک ہے، لیکن وہ تین شخصیات یا تین اقانیم،

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔(افشار، ۱۳۹۱ش، ص ۳۲) یہ عقیدہ جو نیقیہ کونسل (۳۲۵ء)اور قسطنطنیہ کونسل (۳۸۱ء)میں باقاعدہ طور پر طے کیا گیا، "جوہر" (Ousia) اور "اقنوم" (Hypostasis/Persona) کے درمیان فرق کی بنیاد پر قائم ہے۔(Kelly, 1978)

بعض معاصر علمی مراجع نے اس عقیدے کی تعریف اس طرح کی ہے:آکسفورڈ ڈکشنری آف دی کرسچن چرچ تثلیث کو "ایک خدا اور ایک جوہر، جو باپ، بیٹے اور روح القدس کی تین شخصیات میں موجود ہے" قرار دیتی ہے اور خدا کی ذاتی وحدت پر زور دیتی ہے۔(Cross & Livingstone, 2005: 280)کیتھولک انسائیکلوپیڈیا کے مطابق تثلیث ایک ہی ہے؛ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے جو تین اقانیم میں موجود ہے۔اقانیم الوہیت میں شریک نہیں بلکہ ہر ایک مکمل طور پر خدا ہے اور حقیقتاً ایک دوسرے سے ممتاز ہے۔(اسٹیورٹ، ۱۳۸۵ش، ص ۶۲)ویبسٹر ڈکشنری تثلیث کو باپ، بیٹے اور روح القدس کا ایک ذات میں اتحاد قرار دیتی ہے، اس طرح کہ یہ تینوں مل کر ایک خدا بنتے ہیں، نہ کہ تین الگ خدا۔(Merriam, 1382)چارلس رائری مختلف ناقص تعریفوں اور غلط تعبیرات کا ذکر کرنے کے بعد وارفیلڈ کی تعریف کو بہترین قرار دیتے ہیں:صرف ایک حقیقی خدا موجود ہے، لیکن وہ ایک ہی جوہر رکھنے والی تین الٰہی ہستیوں میں موجود ہے۔(Ryrie, 1987: 525)

اس تحریر میں ہمارا مقصد تثلیث کی تاریخ، اس کے اسباب یا فلسفے پر گفتگو کرنا نہیں، بلکہ تثلیث کے قائلین کے مقابلے میں قرآن کے نقضی جوابات کا جائزہ لینا ہے۔قرآن کریم نے دو مقامات پر مسیحیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرف اشارہ کیا ہے: وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ(النساء: ۱۷۱)اور لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ(المائدہ: ۷۳) قرآن مجید نے توحیدی نظامِ عقیدہ کی بنیاد پر نہایت صراحت اور قطعیت کے ساتھ تثلیث کے عقیدے کی تردید اور تنقید کی ہے۔اس موضوع سے متعلق آیات میں سورۂ نساء کی آیت ۱۷۱، سورۂ مائدہ کی آیات ۷۲ تا ۷۵ اور ۱۱۶ تا ۱۱۸، سورۂ مریم کی آیات ۸۸ تا ۹۳، سورۂ مؤمنون کی آیت ۹۱ اور سورۂ اخلاص کی آیات ۱ تا ۴ شامل ہیں۔

یہاں قرآن کے چند نقضی جوابات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف: سورۂ توبہ آیت ۳۰ کے نقضی جواب کا جائزہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ یہود نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ صرف ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کی باتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے تھے۔ اللہ انہیں ہلاک کرے، یہ حق سے کہاں بھٹکے جا رہے ہیں! یہودی قوم کے نزدیک عزیرؑ کو تاریخِ یہود میں ایک خاص مقام حاصل ہے، یہاں تک کہ بعض لوگ یہودی قوم کی شناخت اور تاریخی عظمت کو بھی ان سے وابستہ کرتے ہیں۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۶۸ش، ج ۷، ص ۳۶۲) عزیرؑ کی بڑی خدمات میں یہودیوں کی کوروش کے دربار میں سفارش، انہیں دوبارہ ان کے شہروں میں واپس لانا اور تورات کی تدوین شامل ہے۔ (طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج ۹، ص ۲۵۳) انہی خدمات کی وجہ سے بعض یہودیوں نے انہیں "ابن اللہ" یعنی "اللہ کا بیٹا" کہنا شروع کر دیا۔ اسی وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ مناظرے میں نقضی استدلال کرتے ہوئے فرمایا: اگر تم عزیرؑ کو ان کی عظیم خدمات کی وجہ سے اتنا احترام دیتے ہو اور انہیں اللہ کا بیٹا کہتے ہو، تو پھر حضرت موسیٰؑ کو یہ لقب کیوں نہیں دیتے، حالانکہ انہوں نے تمہاری کہیں زیادہ خدمت کی ہے؟ یہودی اس سوال کا جواب نہ دے سکے اور خاموش رہ گئے۔ (الحویزی، ۱۳۸۳ق، ج ۲، ص ۲۰۵)

آیت کے اگلے حصے میں ارشاد ہوتا ہے: وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ قرآن اس دعوے کے جواب میں چند اہم اور نقضی نکات بیان کرتا ہے: قرآن ان کے قول کو نقل کرنے کے بعد فرماتا ہے: يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا یعنی ان کی بات کافروں کی بات سے مشابہت رکھتی ہے اور انہوں نے ان کی پیروی کی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مشرکین بھی بعض معبودوں کو خدا کا بیٹا، بعض کو خدا کا باپ، بعض کو خدا کی بیوی یا ماں قرار دیتے تھے۔

اسی تفسیر کی طرف ابن عباسؓ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا: **يُضَاهِؤُنَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَيْ عُبَّادِ الْأَصْنَامِ فِي عِبَادَتِهِمْ لَهَا أَوْ فِي عِبَادَتِهِمْ لِلْمَلَائِكَةِ** ان کی بات بت پرستوں کی بات سے مشابہ ہے، چاہے بتوں کی عبادت کے بارے میں ہو یا فرشتوں کی عبادت کے بارے میں۔(مجلسی، ۱۳۸۵اش، ج ۹، ص ۹۷) حالانکہ مسیحی خود کو نہ بت پرست سمجھتے ہیں اور نہ کافر، بلکہ اپنے عقائد کو مشرکین سے بالکل مختلف قرار دیتے ہیں۔اس کے باوجود قرآن نے ابتدائی جواب میں، نقضی انداز اختیار کرتے ہوئے، ان کے عقیدے کو مشرکین کے عقیدے سے مشابہ قرار دیا، جبکہ وہ خود کو صاحبِ دین اور اہلِ کتاب سمجھتے ہیں۔(مکارم شیرازی، ۱۳۶۸اش، ج ۷، ص ۳۶۴)۔

دوم:روایت میں آیا ہے کہ نجران کے ایک گروہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: آپ ہمارے پیشوا، یعنی حضرت عیسیٰؑ، پر اعتراض کیوں کرتے ہیں اور کیوں کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول اور اس کے بندے تھے؟ اس موقع پر سورۂ نساء کی آیت ۱۷۲ نازل ہوئی اور ان کے اعتراض کا جواب دیا: **لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا**مسیح نے کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ ہی مقرب فرشتے اس سے انکار کرتے ہیں۔اور جو لوگ اس کی عبادت سے روگردانی کریں اور تکبر اختیار کریں، اللہ عنقریب ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا۔اس آیت میں قرآن کا نہایت لطیف اور نقضی جواب قابلِ توجہ ہے۔آیت کے مطابق جو لوگ اللہ کی بندگی سے منہ موڑتے ہیں، وہ متکبر ہوتے ہیں؛ جبکہ مسیحیوں کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ ہرگز متکبر نہیں تھے۔(رضائی اصفہانی، ۱۳۸۷اش، ج ۴، ص ۳۹۱) اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے امام رضاؑ نے مسیحیوں کے بڑے مذہبی پیشوا جاثلیق کے ساتھ مناظرے میں نقضی استدلال سے کام لیا۔امامؑ نے فرمایا:حضرت عیسیٰؑ کی تمام صفات اچھی تھیں، صرف ایک کمی تھی کہ وہ زیادہ عبادت نہیں کرتے تھے۔یہ سن کر مسیحی عالم ناراض ہو گیا اور کہنے لگا:عیسیٰؑ تو سب سے زیادہ عبادت گزار لوگوں میں سے تھے۔امام رضاؑ نے فرمایا:وہ کس کی عبادت کرتے تھے؟ کیا اللہ کے سوا کسی

اور کی عبادت کرتے تھے؟ مسیحی عالم نے کہا: "نہیں، وہ اللہ ہی کی عبادت کرتے تھے۔ امامؑ نے فرمایا: پس تم خود اقرار کر رہے ہو کہ عیسیٰؑ اللہ کے بندے، مخلوق اور عبادت گزار تھے، نہ کہ خدا اور معبود۔ اس کے بعد وہ مسیحی عالم خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ (مکارم شیرازی، ۱۳۶۸ش، ج ۴، ص ۲۳۱)

دوم: سورۂ مائدہ کی آیت ۷۵ میں ارشاد ہوتا ہے: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ مسیح بن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے رسول تھے، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اور ان کی ماں ایک سچی اور پاکیزہ خاتون تھیں۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو! ہم کس طرح ان کے لیے اپنی نشانیاں واضح کرتے ہیں، پھر بھی دیکھو کہ وہ کس طرح حق سے پھیر دیے جاتے ہیں۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے قائلین کے جواب میں دو نقضی دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

پہلا یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کو سابقہ انبیائے کرام کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ آیت فرماتی ہے: مسیح صرف ایک رسول تھے اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے گزشتہ انبیاء کو اللہ کا بندہ اور مخلوق مانتے ہیں، تو حضرت عیسیٰؑ بھی انہی کی طرح اللہ کے بندے ہیں۔ علامہ طباطبائیؒ لکھتے ہیں: مسیحؑ کا دیگر رسولوں سے کوئی فرق نہیں تھا، جنہیں اللہ نے بالآخر موت سے دوچار کیا۔ وہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے رسول تھے جو بندوں کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے، نہ کہ ایسے رب اور معبود جن کی عبادت کی جائے۔ (طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج ۶، ص ۱۰۵) ابن عطیہ اندلسی نے بھی صراحت کے ساتھ اسے "ردّاً بالنقض" قرار دیا ہے۔ ان کے مطابق اللہ تعالیٰ سابقہ رسولوں کا ذکر کر کے یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ جب عیسیٰؑ رسول ہیں تو دیگر رسولوں کی طرح ہیں، خدا نہیں۔ (ابن عطیہ، ۱۴۲۸ق، ج ۳، ص ۲۳۳-۲۳۴) فخر رازی نے بھی اس آیت سے نقضی جواب کا یہی مفہوم اخذ کیا ہے۔ (فخر رازی، ۱۴۱۷ق، ج ۱۲، ص ۵۳-۵۵)

جامعة المصطفى العالمية
Al-Mustafa International University
مجتمع آموزش عالی قرآن و حدیث

دوسرا نقضی جواب آیت کے اس حصے میں ہے: كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔امیرالمؤمنین حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ اس آیت کے بارے میں فرمایا: كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ، قَالَ كَانَا يَتَغَوَّطَانِ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے"، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں قضائے حاجت بھی کرنا پڑتی تھی۔(العیاشی، ۱۴۱۱ق، ج ۱، ص ۳۳۵؛ طبرسی، ۱۳۷۲ش، ج ۳، ص ۳۵۵)کیونکہ کھانا کھانے کا لازمی نتیجہ جسمانی حاجات کا پورا ہونا اور فضلات کا اخراج ہے۔اگر حضرت عیسیٰؑ کو خدا مان لیا جائے تو پھر کھانے، پینے اور اس کے بعد پیدا ہونے والی جسمانی ضروریات کی کوئی توجیہ باقی نہیں رہتی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں انسان تھے۔انہیں غذا کی ضرورت تھی اور اگر غذا نہ ملتی تو وہ زندہ نہ رہ سکتے تھے۔یہ ضرورت اور احتیاج خود اس بات کی پہلی دلیل ہے کہ وہ ممکن الوجود اور مخلوق تھے، کیونکہ احتیاج الوہیت کے ساتھ سازگار نہیں۔ (المیزان، ج ۶، ص ۱۰۵؛ طبرسی، ۱۳۷۲ش، ج ۳، ص ۳۵۵)آیت اللہ جوادی آملی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ دیگر انسانوں کی طرح نظامِ طبیعت میں محتاج تھے، اور احتیاج ذاتی فقر کی علامت ہے۔جبکہ الوہیت ذاتی غنا کا تقاضا کرتی ہے۔لہٰذا حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کا عقیدہ باطل ہے۔(جوادی آملی، ۱۳۸۱ش، ج ۱۳، ص ۳۶۵-۳۶۸)

اس آیت میں ایک تیسرا نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے۔قرآن حضرت عیسیٰؑ کی والدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ان کی ماں ایک نہایت سچی اور پاکیزہ خاتون تھیں۔اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک ماں سے پیدا ہوئے تھے، لہٰذا وہ مخلوق اور اللہ کے بندے تھے۔اسی طرح حضرت مریمؑ بھی ایک انسان تھیں جنہوں نے اللہ کی آیات کی تصدیق کی۔(طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج ۶، ص ۱۰۵)مزید یہ کہ جو شخص ایک ماں کے بطن سے پیدا ہو، رحمِ مادر میں پرورش پائے اور اپنی وجودی بقا میں دوسروں کا محتاج ہو، وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ حضرت مریمؑ اللہ کی ایک خاص اور

برگزیدہ بندی تھیں، لیکن انہیں معبود قرار دینا درست نہیں۔(مکارم شیرازی، ۱۳۶۸ش، ج ۵، ص ۳۸)

چہارم: سورۂ مائدہ آیت ۷۶ میں نقضی جواب کا تجزیہ

اللہ تعالیٰ نصاریٰ کے جواب میں فرماتا ہے:قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (المائدہ: ۷۶) کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کے سوا ایسی ہستی کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے کسی نقصان کی مالک ہے اور نہ کسی فائدے کی؟ جبکہ اللہ ہی خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ تفسیر المیزان میں آیا ہے:اس آیت کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ایک ممکن الوجود، محتاج اور خود اللہ کی ملکیت میں ہیں۔وہ خود کسی نفع یا نقصان کے مالک نہیں، اور جو ایسا ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی عبادت درست ہے۔(طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج ۶، ص ۱۰۸) تفسیر نمونہ میں اس آیت کو غیر خدا کی عبادت کے بطلان پر ایک مضبوط دلیل قرار دیتے ہوئے لکھا گیا ہے:تم جانتے ہو کہ مسیحؑ خود انسانی ضروریات کے محتاج تھے اور اپنے ذاتی نفع و نقصان کے بھی مالک نہ تھے، چہ جائیکہ تمہارے نفع و نقصان کے مالک ہوں۔کیا تم ایسی ہستی کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتی ہے اور نہ فائدہ دینے کی؟ (مکارم شیرازی، ۱۳۶۸ش، ج ۵، ص ۳۹) تفسیر کوثر بھی اس آیت کو مسیحیوں کے مقابلے میں ایک اور دلیل قرار دیتی ہے اور لکھتی ہے:یہاں مسیحیوں کے سامنے ایک اور دلیل پیش کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ کو حکم دیتا ہے کہ ان سے کہو: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی ہستی کی عبادت کرتے ہو جو تمہارے لیے نہ نقصان پہنچا سکتی ہے اور نہ فائدہ؟ یعنی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ ایسے انسان تھے جو اپنی ذات سے کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔(جعفری، ۱۳۹۴ش، ج ۳، ص ۲۲۶)

اس آیت میں جو دلیل پیش کی گئی ہے، وہ گزشتہ آیت (المائدہ: ۷۵) کی دلیل سے مختلف ہے، اگرچہ دونوں ایک مشترک مقدمے پر قائم ہیں، اور وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ دونوں مخلوق اور ممکن الوجود ہیں۔فرق یہ ہے کہ گزشتہ آیت میں دلیل یہ تھی کہ وہ دونوں بشر اور محتاج تھے، اللہ کے بندے اور فرمانبردار تھے، اور جو ہستی خود بندہ ہو وہ معبود

نہیں بن سکتی۔ جبکہ اس آیت میں استدلال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خود محتاج، مملوک اور نفع و نقصان کے اختیار سے محروم ہیں۔ ایسی ہستی الوہیت اور عبادت کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ (طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج ۶، ص ۱۰۸) حاصل یہ ہے کہ دونوں آیات نقضی جواب پر مشتمل ہیں، لیکن ان کا استدلالی طریقہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

پنجم: سورۂ مائدہ آیت ۱۸ میں نقضی جواب کا تجزیہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۚ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ** (المائدہ: ۱۸) یہود اور نصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ کہہ دیجیے: پھر وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے سزا کیوں دیتا ہے؟ بلکہ تم بھی اسی کے پیدا کیے ہوئے انسانوں میں سے ہو۔ وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے۔ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہی اسی کے لیے ہے، اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بعض یہودی، جیسے کعب بن اشرف، کعب بن اسید، زید بن تابوہ اور ان کے ساتھی، جب رسول اکرم ﷺ انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو جواب میں کہتے: ہمیں نہ ڈرائیے، ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ اگر وہ ہم پر غضب بھی کرے گا تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے باپ اپنے بیٹے پر ناراض ہوتا ہے، پھر جلد ہی راضی ہو جائے گا۔ (برازش، ۱۴۰۰ش، ج ۳، ص ۶۷۸)

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا: **نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ** ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ یہ دعویٰ ایک کلامی اصول پر مبنی تھا؛ یعنی اگر کوئی اللہ کا بیٹا یا اس کا خاص محبوب ہو تو اسے ایسی خصوصی عنایت اور حمایت حاصل ہونی چاہیے جو اسے عذابِ الٰہی سے محفوظ رکھے۔ قرآن نے ان کے جواب میں نقضی استدلال پیش کیا اور فرمایا: اگر تم واقعی اللہ کے بیٹے اور اس کے خاص محبوب ہوتے تو تمہارے گناہوں کی وجہ سے تم پر عذاب نازل نہ ہوتا، کیونکہ سزا اور عذاب گناہ گاروں کے لیے ہوتا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے گناہوں کی وجہ

سے سزا پاتے ہو۔علامہ طباطبائیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "ابن اللہ" ہونے کا دعویٰ دو باتوں میں سے کسی ایک کو لازم قرار دیتا ہے:

الف: عذاب سے ذاتی حفاظت

اگر وہ واقعی خدا کے بیٹے ہوتے تو یا تو گناہ سے پاک ہوتے، یا کم از کم خدا ان کے ساتھ اپنے خصوصی تعلق کی وجہ سے ایسا سلوک کرتا کہ انہیں عذاب نہ دیتا۔

ب: ارادے میں خودمختاری

یا پھر انہیں یہ اختیار حاصل ہوتا کہ وہ خود چاہیں اور عذاب سے محفوظ رہ جائیں۔

لیکن آیت اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے سزا پاتے ہیں، اور یہی حقیقت ان دونوں مفروضوں کو باطل کر دیتی ہے۔(طباطبائی، ۱۳۷۴ش، ج ۵، ص ۴۰۷)مزید یہ کہ خود یہودی بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ان کے گناہ گار افراد کم از کم ایک مدت تک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔یہی اعتراف اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ کے ساتھ ان کے غیر معمولی تعلق اور "فرزندِ خدا" ہونے کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔علاوہ ازیں، تاریخ گواہ ہے کہ یہودی قوم دنیا میں بھی مختلف قسم کی الٰہی سزاؤں اور سختیوں کا سامنا کرتی رہی ہے۔یہ تاریخی حقیقت بھی ان کے اس دعوے کے بطلان پر ایک واضح دلیل ہے۔

ششم: سورۂ آل عمران آیت ۶۱ میں نقضی جواب کا تجزیہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ** پس اگر علم و آگاہی آجانے کے بعد بھی کوئی شخص عیسیٰؑ کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے تو کہہ دیجیے: آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو، ہم اپنے نفوس کو بلائیں اور تم اپنے نفوس کو، پھر ہم سب مل کر مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت قرار دیں۔یہ آیت مسیحیوں کے مقابلے میں عملی نقضی استدلال کی ایک نمایاں مثال ہے، جس میں "مباہلہ" کو بطور دلیل استعمال کیا گیا

ہے۔ نجران کے مسیحی اپنے دین کی حقانیت کے مدعی تھے۔ دوسری طرف وہ مباہلہ اور لعنتِ الٰہی کے اثرات پر بھی ایمان رکھتے تھے۔

مباہلہ کا فطری تقاضا یہ تھا کہ اگر کوئی اپنے دعوے میں سچا ہو تو اسے اللہ کی لعنت سے خوف نہیں ہونا چاہیے، بلکہ لعنت اس شخص پر نازل ہونی چاہیے جو جھوٹا ہو اور حق کے خلاف دعویٰ کر رہا ہو۔ اسی بنیاد پر رسول اکرم ﷺ نے انہیں مباہلہ کی دعوت دی؛ یعنی ایسی دعا کی دعوت جس میں جھوٹے شخص پر اللہ کی لعنت طلب کی جاتی ہے۔ لیکن جب مباہلہ کا مرحلہ آیا تو مسیحیوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح وہ اپنے دعوے کی صداقت کو ثابت نہ کر سکے۔ یہ صورتِ حال درحقیقت ان کے دعوے کے بطلان پر ایک عملی نقض اور چیلنج تھی، کیونکہ اگر انہیں اپنی حقانیت پر کامل یقین ہوتا تو مباہلہ سے گریز کا کوئی سبب نہ تھا۔ لہٰذا آیتِ مباہلہ کو قرآن کے نقضی اسلوب کی ایک عملی مثال قرار دیا جا سکتا ہے، جس میں مخالف کے دعوے کو اسی کے مسلّمات کی بنیاد پر چیلنج کیا گیا ہے۔

خاتمہ

اس تحقیق کا مقصد قرآن کریم میں نقضی روش کی وضاحت اور عقیدۂ تثلیث کے مقابلے میں اس کے استعمال کا تجزیہ تھا۔

تحقیق سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم ایک استدلالی اور برہانی کتاب ہونے کے ناطے اس روش کو منظّم انداز میں اور مختلف صورتوں میں استعمال کرتا ہے۔ ان صورتوں میں مثالِ نقض کے ذریعے کسی کلی دعوے کو باطل کرنا، مخالف کے مسلّمات کی بنیاد پر اسے الزام دینا، عقلی استدلال سے استفادہ کرنا، نقلی دلائل پیش کرنا اور مختصر مگر مؤثر انداز اختیار کرنا شامل ہیں۔

تثلیث کے رد سے متعلق قرآنی آیات کے تجزیے سے واضح ہوا کہ قرآن اس عقیدے کی اندرونی کمزوریوں کو نمایاں کرتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ایسی ہستی کے لیے الوہیت کا دعویٰ جو کھانے پینے کی محتاج ہو، منطقی تضاد کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کو سابقہ انبیاء کے ساتھ شمار کرنا اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ بھی دیگر انبیاء کی طرح اللہ کے بندے اور رسول تھے، نہ کہ خدا۔

قرآن محض اثباتی جواب دینے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ مخالف نظریے کے اندر موجود ناسازگاریوں، تضادات اور کمزور بنیادوں کو نمایاں کر کے اس کے استدلالی ڈھانچے کو منہدم کرتا ہے۔اس طرزِ استدلال کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ مخاطب کو سوچنے، غور کرنے اور اپنے فکری مبانی کا ازسرنو جائزہ لینے پر آمادہ کرتا ہے۔

مجموعی طور پر نقضی روش قرآن میں ایک حکیمانہ اور مؤثر اقناعی اسلوب کے طور پر سامنے آتی ہے، جو بیک وقت دفاعی اور تبیینی کردار ادا کرتی ہے۔یہ طریقہ توحیدی عقائد کو مضبوط بنانے کے ساتھ ساتھ بین المذاہب عقلی مکالمے کی راہ بھی ہموار کرتا ہے، اور عصرِ حاضر کے فکری و اعتقادی شبہات کے جواب میں ایک مؤثر علمی و تحقیقی نمونے کے طور پر قابلِ توجہ ہے۔

کتابیات

قرآن کریم

۱. استوارت، الویت، ۱۳۸۵، راز تثلیث، تهران، امیر کبیر
۲. افشار، بهروز. ۱۳۹۱. نگاه انتقادی قرآن کریم به تثلیث مسیحی. پژوهش های اعتقادی کلامی (علوم اسلامی)، ۲(۷)، ۳۱-۴۵.
۳. مکارم شیرازی، ناصر. همکاران. ۱۳۶۸ش. تفسیر نمونه. چاپ پنجم: قم: دارالکتب.
۴. راغب اصفهانی م. ۱۳۶۲ش. مفردات الفاظ القرآن. چاپ دوم. تهران: المکتبة المرتضویه.
۵. قرشی ع. ۱۳۷۵ش. قاموس قرآن. چاپ هفتم. تهران: دارالکتب اسلامیه.
۶. فراهیدی أ. ۱۴۰۵ق. العین. قم: دارالهجره.
۷. محمدی، رضا، مجله پیام، مقاله شیوه شناسی پاسخگویی به شبهات ۴، ش ۱۱۱، سال ۱۳۹۱)
۸. دهخدا ع. ۱۳۷۷ش. لغت نامه دهخدا. چاپ دوم. تهران: دانشگاه تهران.
۹. ساروخانی، باقر، ۱۳۹۳ش، روشهای تحقیق در علوم اجتماعی: اصول و مبانی، چ۱۸، پژوهشگاه علوم انسانی، تهران.
۱۰. معرفت، محمد هادی، تفسیر و مفسران، موسسه فرهنگی التمهید، قم، ۱۳۷۹ش.
۱۱. برنجکار، رضا، روش شناسی علم کلام، موسسه علمی و فرهنگی دارالحدیث، قم، ۱۳۹۱.
۱۲. فخر رازی. ۱۴۱۷ق. مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر). چاپ دوم. بیروت: دار احیاء التراث العربی.
۱۳. طوسی، محمد بن حسن، ۱۴۰۷ق، تهذیب الاحکام، انتشارات صدوق، قم.
۱۴. طبرسی، فضل بن حسن، ۱۳۷۲ش، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، مصحح: یزدی طباطبایی، فضل الله، رسولی، هاشم، تهران، ناصر خسرو.
۱۵. طبری، محمد بن جریر، ۱۴۰۲، تاریخ طبری، انتشارات اساطیر، چ۶، تهران.
۱۶. رضایی اصفهانی، تفسیر قرآن مهر، ۱۳۸۷ش، انتشارات پژوهش های تفسیر و علوم قرآن، چ۱، قم.
۱۷. سیوطی ج. ۱۴۱۴ق. درالمنثور فی تفسیر الماثور. بیروت: دارالفکر.
۱۸. قمی علی بن ابراهیم. ۱۳۶۷ش. تفسیر قمی. قم: دار الکتاب.
۱۹. الحویزی، عروسی، ۱۳۸۳ق. تفسیر نورالثقلین. قم: المطبعه العلمیه.

۲۰. مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار (۱۱۰ جلد). تهران: المكتبة الاسلامية، ۱۳۸۵ش.
۲۱. ابن عطیه، عبدالحق ابن غالب، ۱۴۲۸ق، المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز، وزارت اوقاف، قطر.
۲۲. سمرقندی، عیاشی، ۱۴۱۱ق. تفسیر عیاشی. چاپ اول. بیروت: الاعلمی.
۲۳. جوادی آملی، عبدالله، ۱۳۸۱ش. تفسیر تسنیم. چاپ سوم. قم: نشر اسراء.
۲۴. جعفری، یعقوب، ۱۳۹۴، تفسیر کوثر، انتشارات هجرت، چ۱، قم.
۲۵. برازش، علی رضا، ۱۴۰۰، تفسیر اهل بیت، انتشارات امیر کبیر، چ۱، تهران.
۲۶. طباطبايي، محمد حسین، تفسیر المیزان، انتشارات جامعه مدرسین، قم، ۱۳۷۴ش.
27. Charles, Ryrie (1987), Basic theology, victor books, Haly, Room.
28. Kelly, J. N. D. (1978). Early Christian Doctrines. Harper & Row.
29. Merriam, webester (1382), collegate dictionary.
30. Warfield, B. B (1992), Trinity, Bible Encyclopedia, ed. Grand rapid Italy, Room..
31. Warfield, B. B. (1915). The Biblical Doctrine of the Trinity. Bible Student.